اسلام میں معاشی اور سماجی انصاف کا تصور

محمد مظہر الدین صدیقی

قرآن حکیم نے جن اخلاقی اقدار کی تلقین کی ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں قدر عدل و انصاف کی ہے ۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں عدل و انصاف کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے ۔ ایک آیت میں کہا گیا ہے کہ انبیاء اور رسل کو اور ان کے ساتھ الہامی کتابوں کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ انسانوں کے مابین عدل و انصاف قائم کیا جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط ۔ (سورۂ حدید ۔ ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھ سکیں،، ۔

عدل و انصاف کا حکم ان صورتوں میں بھی دیا گیا ہے جب کہ اس کے نتیجہ میں انسان کی اپنی ذات یا اس کے ماں باپ یا رشتہ داروں کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو :۔

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیاً او فقیراً فاللہ اولی بھما (سورۂ النساء ۔ ۱۳۵)

''اے ایمان والو عدل پر قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہوجاؤ خواہ اس کی زد تمہارے اپنے اوپر یا تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر پڑے وہ شخص امیر ہے یا غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالی کو زیادہ تعلق ہے ۔،،

دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (سورۃ المائدہ۔ ۸)

''اے ایمان والو اللہ کے لئے کھڑے ہوجاؤ عدل کی گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ انصاف سے کام لو۔ یہ تقوی سے قریب تر ہے''۔

غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ دین کے معاملہ میں مسلمانوں سے آمادہ پیکار نہ ہوں اور مسلمانوں پر ان کے دین کی وجہ سے ظلم و سختی نہ کریں :۔

لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم۔ ان اللہ یحب المقسطین۔ (سورۃ الممتحنہ۔ ۸)

''جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملہ میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

لیکن عدل و انصاف کے متعدد پہلو ہیں۔ ایک پہلو قانونی عدل کا ہے ، ایک سیاسی عدل، کا ایک معاشی اور سماجی عدل کا۔ اس مضمون میں ہم صرف معاشی اور سماجی عدل سے بحث کریں گے ۔

معاشی انصاف کے دائرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے تین اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ معاشرہ کے کمزور طبقات و افراد کے حقوق کی پاسبانی کی جائے اور

طاقتور طبقات و افراد کو اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ان کے حقوق تلف کریں ۔ حضرت ابوبکر نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں اس نکتہ کی وضاحت کی تھی ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا : ۔

والضعیف منکم قوی عندی حتی ازیح علته ان شاءالله والقوی منکم ضعیف عندی حتی آخذ منه الحق انشاءالله (ابن کثیر ۔ البدایه والنهایه مطبوعه مصر ۔ جلد ٦ ۔ ص ۳۰۱)

"تم میں سے جو کمزور ہے وہ میری نگاہوں میں طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کی شکایت رفع کردوں اگر خدا نے چاہا اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میری نگاہوں میں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے (کمزوروں کا) حق نہ لے لوں اگر خدا نے چاہا" ۔

حضرت عمر کی خلافت میں بھی کمزوروں کے حقوق کا ایسا ہی لحاظ کیا جاتا تھا ۔ امام ابویوسف لکھتے ہیں : ۔

کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه اذا بلغه ان عامله لایعود المریض ولا یدخل علیه الضعیف نزعه ۔

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسے افسر یا گورنر کو برطرف کردیتے تھے جس کے متعلق انہیں یہ خبر پہونچتی کہ وہ مریض کی عیادت نہیں کرتا ہے اور اس کی بارگاہ میں کوئی کمزور (غریب) شخص داخل نہیں ہو سکتا ہے" ۔ (کتاب الخراج ۔ ص ٦٦ مطبوعہ قاہرہ ۱۳٦۲ ھ)

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حکمرانوں، گورنروں اور افسروں سے عام لوگوں کو ملاقات کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے تاکہ یہ لوگ عوام کی ضروریات اور شکایات سے باخبر رہیں ۔ ایک حدیث میں آتا ہے ۔ ابو الشماخ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک رشتہ کے بھائی سے فرمایا کہ میں

حضرت معاویه کے دربار میں داخل ہوا اور ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے ۔ کہ ''اگر کسی شخص کو عوام پر صاحب اختیار بنا دیا جائے لیکن وہ مسلمانوں پر اپنا دروازہ بند کر دے یا کسی ایسے شخص کو جس پر ظلم ہوا ہو یا جو ضرورت مند ہو داخله کی اجازت نه دے تو اللہ تعالی اس پر اپنی رحمت کا دروازہ بند کر دیگا جب کہ وہ خود ضرورت مند ہوگا یا مفلسی کی حالت میں ہوگا'' ۔

(مشکوۃ المصابیح انگریزی ترجمه، ڈاکٹر رابسن ج ۲ ص ۷۹۲ مطبوعه لاہور)

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے۔ عمرو بن مرہ نے بیان کیا کہ میں نے معاویه سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کو یه فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اگر کسی شخص کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں بااختیار بنادیا جائے اور وہ ان کی حاجت، مفلسی یا ناداری سے آنکھیں بند کرلے تو اللہ تعالی بھی اس کی حاجت، مفلسی اور ناداری سے آنکھیں بند کرلے گا'' ۔

(مشکوۃ المصابیح ۔ جلد ۲ ص ۷۹۲)

تیسرا اہم نکته جو معاشی انصاف سے متعلق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے مستنبط ہوتا ہے وہ یه ہے کہ مرور زمانه کے ساتھ نئے طبقات ظہور میں آسکتے ہیں جن کی معاشی امداد اسلامی ریاست کی ذمه داری ہے ۔ مثلاً قرآن حکیم میں بیواؤں کا ان طبقات میں کوئی ذکر نہیں ملتا جن کی معاشی امداد کو مسلمانوں کا اخلاقی فریضه قرار دیا گیا ہے ۔ گو قرآن میں لفظ مسکین ضرور آتا ہے جس کا اطلاق غریب بیواؤں پر بھی کیا جا سکتا ہے ۔ اس طرح غریب بیوائیں، بھی زکوۃ کی مستحق قرار پاسکتی ہیں لیکن قرآن حکیم میں بیواؤں کا ایک علیحدہ طبقے کی حیثیت سے کوئی ذکر نہیں، اس کے باوجود حضرت عمر کے زمانه خلافت میں جب معاشی وسائل کی فراوانی ہوئی تو حضرت عمر نے صراحتاً بیواؤں کو

ان طبقات میں شامل کیا جن کی کفالت کی اسلامی ریاست ذمہ دار قرار پاتی ہے ۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں : ۔

قال بعث عمر رضی اللہ عنہ حذیفہ بن الیمان علی ماوراء دجلة وبعث عثمان بن حنیف علی ما دونه فاتیا فسألهما کیف و ضعتکما علی الارض لعلکما کلفتما اهل عملکما مالا یطیقون قال حذیفة ترکت فضلاً و قال عثمان ترکت الضعف ولو شئت لاخذته فقال عمر عند ذالك لئن بقیت لاراسل اهل العراق لادعنهم لا یفتقرن الی امیر بعدی ۔ (کتاب الخراج ص ۲۱ مطبوعه قاهره ۱۳۰۲ھ)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو دجلہ کے اس پار روانہ کیا اور عثمان بن حنیف کو ادھر کے علاقہ کی طرف بھیجا ۔ جب وہ دونوں آئے تو ان سے دریافت کیا کہ تم نے زمین پر لگان کس طرح لگایا شاید تم نے مزارعین پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا ۔ حذیفہ نے کہا کہ میں نے زیادہ لگان کو چھوڑ دیا ۔ عثمان نے کہا کہ میں نے دوگنا لگان ترک کر دیا ۔ اگر میں چاہتا تو یہ لے سکتا تھا ۔ اس موقع پر حضرت عمر نے کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو ایسی حالت میں چھوڑوں گا کہ انھیں میرے بعد کسی خلیفہ کی امداد و کفالت کی حاجت نہ رہے گی،، ۔

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے عراق کی بیواؤں کو ایک جداگانہ طبقہ کی حیثیت دی جن کی کفالت اسلامی حکومت کا فریضہ قرار پائی ۔ اس طرح ہر زمانہ میں اسلامی ریاست کسی نئے طریقے کی بنیاد رکھ سکتی ہے جس کا تعلق ان معاشی طبقوں کی کفالت اور امداد سے ہو جو مرور زمانہ کے ساتھ معرض وجود میں آئیں ۔ بشرطیکہ وہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو اس ضمن میں امام ابویوسف لکھتے ہیں : ۔

''اس بارے میں عمل اس سنت کے مطابق ہوگا جس کی بنیاد پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی اور پھر خلفاء اربعہ نے اور جان لو کہ جس شخص نے بھی کسی اچھی سنت کی طرح ڈالی اسے اس کا اجر بھی ملے گا۔ اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر بھی ملے گا۔ (کتاب الخراج۔ ص ۴۳)

جہاں تک ان معاشی تدابیر کا تعلق ہے جو اسلام نے غریبوں اور پست طبقوں کی حاجت روائی کے لئے اختیار کیں، اس کے متعلق اسلامی عہد کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور مکی زندگی اور ابتدائی مدنی زندگی کا جب کہ اسلامی ریاست ابھی پورے طور پر منظم نہیں ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالی اور معاشی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس دور میں شخصی اور انفرادی خیرات و صدقات پر اکتفا کیا گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غریبوں کی دیکھ بھال کریں۔ اسی دور میں حسب ذیل قرآنی آیات کا نزول ہوا :۔

وما ادراك ما العقبة۔ فك رقبة او اطعام فی یوم ذی مسغبة یتیما ذامقربة او مسکینا ذا متربة ۔ (البلد - ۱۳)

''اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ گردن کا چھڑانا (یعنی غلاموں کو آزاد کرنا) یا بھوک کے دن میں قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔''

و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا (سورہ دھر - ۸)

''اور وہ (یعنی مسلمان) مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں۔''

لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملئکة والکتب والنبیین وآتی المال علی حبه ذوی القربی

والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب (سورہ بقرہ - ۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ کوئی اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اللہ کی محبت میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں، اور غلاموں کو آزاد کرانے پر صرف کرے،، ۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''وہ شخص مومن نہیں ہے جو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھائے جب کہ اس کا پڑوسی بھوکا رہے ۔،، (مشکوۃ - جلد ۳ ص ۱۰۴۹)

دوسرا دور فتح خیبر کے بعد کا ہے ۔ اس دور میں جب کہ اسلامی ریاست پوری طرح منظم اور مستحکم ہوچکی تھی اور اس کے مالی وسائل بھی بڑھ گئے تھے زکوۃ کے احکام نازل ہوئے اور سودی لین دین کو ممنوع قرار دیا گیا ۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف تو انفرادی خیرات و صدقات کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف خود اسلامی ریاست فلاکت زدہ افراد کی معاشی امداد کی ذمہ داری اٹھانے لگی اور سماجی تحفظ کا ایک نظام عملاً نافذ کیا گیا ۔

زکوۃ کے نفاذ کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم نے ان طبقات کی بھی صراحت کردی جن کو زکوۃ کی آمدنی سے مالی امداد دی جاتی تھی ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : ۔

انما الصدقات للفقراء و المساکین والعاملین علیها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل ۔ (سورۂ توبہ ۶۰)

''صدقات یعنی زکوۃ فقراء کے لئے ہے مساکین کے لئے ہے ان لوگوں کے لئے ہے جو اس کی تقسیم میں حکومت کے کارندوں کی حیثیت سے کام کریں گردن چھڑانے کے لئے ہے (یعنی غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے) قرضداروں کے لئے ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے اور مسافروں کے لئے ہے ۔،،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ اگر کسی شخص نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کردی ہے تو اس سے وہ مزید مالی ذمہ داریوں سے بری نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اسلامی ریاست زکوۃ کے علاوہ مال پر اور بھی واجبات عائد کر سکتی ہے۔ جیسا کہ فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''مال و جائداد پر زکواۃ کے علاوہ اور بھی کچھ واجب ہے''۔ (مشکوۃ جلد ۲ ص ۶۲۳)

یہی دور تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت فرمانروائے ریاست یہ اعلان فرمایا کہ میں تمام بے یارو مددگار مسلمانوں کا سر پرست ہوں۔ چنانچہ المقدام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں ہر مسلمان سے اس کی جان کے مقابلہ میں قریب تر ہوں۔ اسلئے اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مرجائے یا اس کی موت کی وجہ سے اس کے اهل و عیال بے یارو مددگار ہو جائیں تو میں ان کا ذمہ دار ہوں''۔

(مشکوۃ المصابیح ۔ جلد ۲ ص ۶۵۱)

تیسرا دور حضرت ابو بکر کی خلافت سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں اسلامی ریاست کے معاشی وسائل میں اضافہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں بعض نئے طبقات کو ریاست کی طرف سے امداد دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مثلاً حضرت ابوبکر نے اهل کتاب کے لاچار افراد کو بیت‌المال سے امداد دی۔ فرماتے ہیں :-

ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين و عياله۔

(تقی امینی۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ ص ۲۲ مطبوعہ لاهور)۔

''اگر کوئی بوڑھا آدمی کام کرنے سے معذور ہوجائے یا اس پر کوئی آفت آپڑے یا پہلے مالدار تھا اور بعد میں مفلس ہوجائے اور اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف کردیا جائے گا۔ اور اس کے اہل و عیال کو مسلمانوں کے بیت‌المال سے مدد دی جائے گی''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے تمام بوڑھے اشخاص جو کام کرنے کے قابل نہ رہے ہوں اور جن کی کفالت کا کوئی ذمہ دار نہ ہو اس امر کے مستحق ہیں کہ اسلامی ریاست ان کی کفالت کرے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے طلحہؓ کو ایک جاگیر عطا فرمائی اور چند گواہوں کو مقرر فرمایا جنہیں جاگیر کی دستاویز پر دستخط کرنا تھا۔ ان گواہوں میں حضرت عمر کا نام بھی تھا۔ جب طلحہؓ حضرت عمر کے پاس آئے تو انھوں نے دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا اھذا کلہ لك من دون الناس۔ کیا اتنی ساری زمین صرف تمہارے لئے مخصوص ہوگی اور دوسرے لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ اس پر حضرت طلحہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس غصہ سے بھرے ہوئے آئے اور کہا واللہ ما ادری انت الخلیفة ام عمر۔ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ خلیفہ آپؓ ہیں یا عمرؓ۔ حضرت ابوبکر نے جواب میں فرمایا میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ عمر ہیں۔
(احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینوں کی تقسیم کے بارے میں حضرت عمرؓ کے خیالات سے حضرت ابوبکرؓ نے بھی اتفاق کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جاگیروں کی صورت میں اراضی کا چند ہاتھوں میں جمع ہوجانا اسلامی نظریہ عدل کے منافی ہے۔ جس معاشرہ میں لاکھوں کروڑوں بے زمین کسان اجرت پر کام کرتے ہوں وہاں چند زمینداروں اور جاگیرداروں کو بڑے بڑے قطعات دے دینا انصاف کے خلاف ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ

خلافت میں عراق کی بیواؤں کو ان طبقات میں شامل کیا گیا جنہیں اسلامی ریاست معاشی امداد فراہم کرتی تھی۔ ذیل کے واقعہ سے حضرت عمر کی معاشی امداد کی پالیسی پر مزید روشنی پڑتی ھے :-

حد ثنی عمیر بن نافع عن ابی بکر قال مر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه بباب قوم علیه سائل یسئال شیخ کبیر ضریر البصر فضرب عضده من خلفه وقال من ای اهل الکتاب انت فقال یهودی قال ماالجاك ماأری قال اسأل الجزیة والحاجة والسن قال فاخذ عمر بیده و ذهب الی منزله فرضخ له بشیٔ من المنزل ثم ارسل الی خازن بیت المال فقال انظر هذا و ضرباءه فو الله ما انصفنا ان اکلنا شبابه ثم نخذل عند الهرم انما الصدقات للفقراء والمساکین و الفقراء هم المسلمون و هذا من مساکین اهل الکتاب و وضع عنه الجزیة (کتاب الخراج۔ ص ۷۲)۔

''عمیر بن نافع نے ابوبکر سے روایت کی ھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنه چند لوگوں کے دروازہ کے پاس سے گزرے اور وھاں انھوں نے ایک سائل کو پایا جو بھیک مانگ رھا تھا وہ بہت بوڑھا اور اندھا تھا۔ حضرتؓ عمر نے اس کے کندھے پر ھاتھ مار کر کہا تم اھل کتاب کی کس قوم سے تعلق رکھتے ھو۔ اس نے کہا میں یہودی ھوں۔ حضرت عمر نے سوال کیا کہ تمہیں گداگری پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اس نے کہا جزیہ نے ناداری نے اور عمر رسیدگی نے۔ حضرت عمر اس کا ھاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور اسے کچھ دیا۔ پھر بیت المال کے داروغہ کو بلا کر کہا کہ اس کی اور اس کے جیسے اور لوگوں کی دیکھ بھال کرو۔ خدا کی قسم ھم بے انصافی کریں گے اگر ھم نے اس کی جوانی کی محنت سے فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اس کو بے یار و مدد گار چھوڑ دیا۔ صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ھیں۔ فقراء تو

مسلمانوں میں سے ہوتے ہیں، اور یہ اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جزیہ معاف کردیا (کتاب الخراج ۔ ص ۷۲)۔

اس واقعہ میں دو امور خاص طور پر قابل توجہ ہیں ۔ اولاً یہ کہ حضرت عمر نے ایک غیر مسلم کو مساکین کی صف میں شامل کیا ۔ دوسرے یہ کہ حضرت عمر کو یہ بات انصاف کے خلاف معلوم ہوئی کہ ایک شخص جوانی میں تو محنت کرے اور اس سے ہم فائدہ اٹھائیں پھر جب وہ بوڑھا ہوجائے تو اس کو بے یارو مدد گار چھوڑ دیا جائے ۔ اب یہ بات قابل غور ہے کہ یہ بوڑھا یہودی سرکاری ملازم نہ تھا بلکہ ایک معمولی شہری تھا جس کا حکومت کے کاروبار سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان تمام اشخاص کی معاشی امداد حکومت کا فرض ہے خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا نہ ہوں جو بڑھاپے میں بالکل بے یارو مدد گار ہو جائیں اور جن کی معاشی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو۔

عہد جدید میں سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے بہت بڑے پیمانہ پر افلاس و ناداری کا معاشرہ میں دور دورہ ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام یتیموں، بیواؤں اور دوسرے فلاکت زدہ انسانوں کی معاشی امداد کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتا ہے ۔ سوشلزم کا دعوی ہے کہ اس نے معاشرہ میں مساوات کا بول بالا کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس دعوی کو تسلیم نہیں کرتے ۔ ابھی تک کسی سوشلسٹ معاشرے نے یہ آئینی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے کہ وہ تمام مفلس نادار اور حاجتمند افراد کی کفالت کرے گا حالانکہ اسلام میں ان لوگوں کو معاشی کفالت کا آئینی تحفظ دیا گیا ہے ۔ اگر سوشلزم نے کہیں معاشی خوشحالی اور فارغ البالی پیدا کی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اسنے سیاسی آزادی اور حریت فکر کا بالکل خاتمہ کردیا ہے اس کے باوجود سوشلزم اور کمیونزم آبادی کے پست طبقات کے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں ۔ اور اگر ہم ان لادینی

اور ملحدانہ نظریات سے عوام الناس کو محفوظ رکھنا چاھتے ھیں تو ھمیں اپنے ملکی آئین میں اس بات کی ذمہ داری قبول کرنی پڑے گی کہ ریاست تمام نادار اور حاجتمند افراد کی معاشی کفالت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ مفلسی اور ناداری کفر کے قریب لے جاتی ھے کادالفقر ان یکون کفرا۔ (مشکوۃ ۔ جلد ۳ ص ۱۰۴۹)۔ اگر جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا مفلسی اور ناداری انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ھے تو ایک اسلامی ریاست کا یہ اولین فریضہ ھے کہ وہ غربت و افلاس کا خاتمہ کرنے کے لئے سماجی تحفظ کی وہ تمام تدابیر اختیار کرے جو اوائل اسلام میں اختیار کی گئی تھیں بالخصوص ایک ایسے دور میں جب کہ معاشرہ انفاق کی روح سے بالکل خالی ھوگیا ھے اور مالداروں نے ناداروں اور مفلوک الحال لوگوں کی معاشی امداد سے بالکل ھاتھ کھینچ لیا ھے حالت یہ ھے کہ اس وقت پاکستان میں ایک یونیورسٹی بھی نہیں جو حکومت کے وسائل سے نہ چلتی ھو اور جس کا انتظام صرف مالداروں کے عطیات سے کیا جاتا ھو۔ اس طرح ملک میں ایسے اسپتال نہ ھونے کے برابر ھیں جنھیں صرف مالدار افراد نے اپنی امدادی رقوم سے قائم کیا ھو اور جن کا مقصد روپیہ کمانا نہ ھو بلکہ خدمت کرنا ھو۔ یہاں یہ سوال ضرور پیدا ھوتا ھے کہ کیا پاکستان کی مملکت ایسے معاشی وسائل سے بہرہ‌ور ھے جو سماجی تحفظ کی تدابیر کے لئے کافی ھوں۔ ھمارے خیال میں موجودہ زمانہ میں ریاست کے وسائل آمدنی بمقابلہ زمانہ رسالت یا زمانہ خلافت راشدہ کے بہت بڑھ چکے ھیں البتہ یہ صحیح ھے کہ عہد رسالت یا خلفائے راشدین کے زمانہ میں ریاست تعلیم اور طبی امداد سے بری الذمہ تھی۔ بہرحال اگر مملکت پاکستان کے موجودہ معاشی وسائل سماجی تحفظ کی اسکیموں کے لئے ناکافی ھیں تو اس کا مداوا زکوۃ کے نفاذ کے ذریعہ کیا جاسکتا ھے اور زکوۃ کی آمدنی ایک اضافی آمدنی کے طور پر استعمال کی جائے۔ اس سلسلہ میں بڑی مشکل یہ ھے کہ پاکستان

میں ایک عام خیال یہ ہے کہ صرف زکوۃ اور عشر اسلامی نوعیت کی آمدنیاں ہیں باقی جتنے محصولات اور واجبات حکومت عائد کرتی ہے ان کا دین یا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یہ غلط فہمی ہمارے ذرائع ابلاغ ریڈیو ٹیلیویژن اور اخبارات کے ذریعہ دور کی جاسکتی ہے اور لوگوں کو یہ سمجھایا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت جو بھی ٹیکس لے وہ عبادت کی ضمن میں آتا ہے نیز اسلامی حکومت کے عائد کردہ تمام ٹیکس اصلاً اسلامی اور دینی ہیں ۔

حضرت ابوبکر صدیق رض نے جو پہلی تقریر خلیفہ منتخب ہونے کے بعد کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کے معنے یہ ہیں کہ کمزوروں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور انہیں طاقتور افراد کی زیر دست آزاری کا شکار نہ ہونے دیا جائے ۔ اب ہمارے معاشرہ میں ایک طبقہ جو سماجی لحاظ سے بہت کمزور ہے صنف نازک کا طبقہ ہے ۔ قرآن مجید میں جہاں تعدد ازواج کی اجازت دی گئی ہے وہیں ازواج کے درمیان عدل کرنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی بیوی کرو اور تعدد ازواج سے بچو ۔

وان خفتم الا تعدلوا فواحدة (النساء ۔ ۳

''اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کرو،،

اسی کے ساتھ قرآن حکیم نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا تقریباً ناممکن ہے ۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم (النساء ۔ ۱۲۹)

''اور تمہارے اندر یہ قدرت نہیں ہے کہ تم عورتوں کے مابین انصاف کر سکو اگرچہ تمہاری خواہش بھی ہو ۔ (م ۔ ۱۲۹)

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن صرف بہ امر مجبوری ایک سے زائد شادیوں

کی اجازت دیتا ہے۔ بنا بریں اگر کسی ایک بیوی کو بھی اپنے شوہر سے یہ شکایت ہوجائے کہ وہ اس کے ساتھ برتاؤ یا نان و نفقہ میں انصاف نہیں کرتا تو وہ اس معاملہ کو عدالت میں پیش کر سکتی ہے اور اگر اس کی شکایت صحیح ثابت ہو تو عدالت اس کے نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔ ناانصافی کی ایک اور صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی شخص بلا معقول وجہ کے اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اس عورت کے لڑکے چھوٹے ہوں اور کمانے کے لائق نہ ہوں تو اسے بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس مشکل کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو جن کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو ان طبقات میں شامل کر لیا جائے جن کی معاشی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ پاکستان میں عورتوں کی بڑی دقت یہ ہے کہ ناخواندگی، جہالت اور پردہ کی پابندیوں کی وجہ سے وہ عدالتوں سے رجوع نہیں کر سکتیں۔ بجز اس کے کہ کوئی مرد ان کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کو تیار ہو۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہماری حکومت کو عائلی عدالتیں قائم کرنی چاہئیں جو سستا اور آسان انصاف مہیا کر سکیں، اور جن میں مقدمات آسانی سے فیصل کئے جاسکیں۔